چودھری ثناء اللہ بھٹہ
نائب امیر مجلس احرار اسلام پاکستان

متحدہ مجلس عمل کا امتحان

الیکشن ۲۰۰۲ء کے نتائج حیرت انگیز ہیں۔ مسلم لیگ کے کئی ٹکڑوں میں بٹنے کے باعث، پیپلز پارٹی کی کامیابی کے امکانات واضح تھے۔ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ پاکستان بنانے اور چلانے کی دعویدار جماعت ذاتی مفادات کے چکر میں اپنی حیثیت کھو چکی ہے۔ ہر گروپ اپنے آپ کو حق بجانب قرار دینے پر مُصر رہا۔ حالانکہ ان رہنماؤں کو حقیقت حال کا بخوبی اندازہ تھا۔ لیکن جب ملی مفادات پر ذاتی مفادات کو ترجیح دینا ہی فرضِ اوّلیں قرار پا جائے تو حقیقت حال کی واضح نشاندہی سے آنکھیں موند لینے کی افسوس ناک صورت پیدا ہونا لازمی تھا۔ ان تمام ممکنہ خدشات کا شعور ہونے کے باوجود ضد اور ہٹ دھرمی کا جو نتیجہ ۱۰ اکتوبر کو سامنے آیا، اس کا ادراک پہلے ہی ضروری تھا۔ یہاں تک پیپلز پارٹی کے درجہ سوم کے رہنما ببانگ دہل اخبارات میں یہ دعوے کرتے رہے کہ مسلم لیگ سر پھٹول سے پیپلز پارٹی کو فائدہ پہنچے گا اور اس کے امیدوار بھاری اکثریت سے کامیاب ہوں گے۔ ایسے بیانات نشر ہونے کے باوجود لیگی رہنماؤں کو ہوش نہیں آیا۔ وہ بزعم خود اپنی اپنی کامیابی کا ڈھنڈورا پیٹتے رہے۔ حالانکہ ملک کا غیر جانبدار وسیع طبقہ محسوس کر رہا تھا کہ مسلم لیگ کی اس بندر بانٹ سے ایک دفعہ پھر ملک کی معیشت کا بیڑا غرق کرنے والی قیادت برسر اقتدار آنے کے لیے پر تول رہی ہے۔

انہی حالات کے باعث مذہبی و دینی حلقوں میں شدید قسم کی تشویش پائی جاتی تھی۔ پھر ایسا ہوا کہ کچھ حساس حضرات کی کوشش سے چھے دینی جماعتوں کے رہنماؤں نے یکجا بیٹھ کر مستقبل کے خطرات کا جائزہ لیا اور متحدہ مجلس عمل کے نام سے ایک نئے اتحاد کی تشکیل ہوئی۔ اس مجلس میں تمام مسالک کے حضرات کو یکجا کرنے کی سعی کی گئی۔ ذہنی کھچاؤ کے باوجود آئندہ درپیش خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک متحدہ پلیٹ فارم کی ضرورت کو پورا کرنے کی اس کوشش کو ملک بھر کے دینی و مذہبی حلقوں میں خوش آمدید کہا گیا۔ انتخابات سے پہلے مختلف حلقوں میں امیدواروں کے چناؤ کا مرحلہ اگرچہ تکلیف دہ حالات سے دوچار رہا لیکن پھر بھی کافی حد تک اس منزل کو سر کیا گیا۔ ۱۰ اکتوبر کے انتخابات کے جو نتائج سامنے آئے ہیں وہ موجودہ حکومتی حلقوں میں خصوصاً اور سیکولر طبقوں میں عموماً حیران کن تصور کئے گئے ہیں۔ کیونکہ پاکستان کی ۵۵ سالہ تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے جس میں انتخابی معرکہ میں دینی محاذ کے ۴۵ امیدوار کامیاب ہوئے ہیں۔ خصوصیت سے افغانستان کی سرحدوں سے ملحقہ دو صوبوں سرحد اور بلوچستان میں بھاری تعداد میں متحدہ مجلس عمل کے امیدواروں کی کامیابی نے تہلکہ مچا دیا ہے۔ اگرچہ قومی اسمبلی میں بھی ایک مؤثر تعداد کامیاب ہو کر آئی ہے۔ جو آئندہ قانون سازی میں

ایک مؤثر اور جاندار عمل کا مظاہرہ کرسکتی ہے۔

اس وقت قومی اسمبلی میں پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ ''ق'' کے ممبروں کی بھاری تعداد نے مستقبل کا جو نقشہ ترتیب دیا ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کل تک بہن بھائی باہمی روابط سے متحدہ لائحہ عمل پر گامزن ہونے کا جو عندیہ دیتے رہے ہیں وہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکے گا۔ بلکہ حتمی نتائج آنے سے پہلے ہی پیپلز پارٹی کے موجودہ سربراہ مخدوم امین فہیم کا فوجی کمانڈروں سے خفیہ ملاقات کرنے کے فوری بعد لندن یاترا بہت سے راز ہائے سربستہ کا انکشاف کرنے میں ممدومعاون ہوں گے۔سیاسی مبصرین کا اندازہ ہے کہ آئندہ حکومت پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ ق کے اشتراک سے بنے گی اور موجودہ برسراقتدار حضرات اس کو آشیرباد دیں گے۔اس نقشہ میں آئندہ کی اپوزیشن مسلم لیگ ن اور متحدہ مجلس عمل کے ارکان پر مشتمل ہوگی۔دوسری چھوٹی چھوٹی جماعتیں وقتی مفاد کے لیے حکومتی چھتری کا سہارا لیں گی۔

اب نئے حالات کا جو نقشہ تشکیل پا رہا ہے۔اس میں متحدہ مجلس عمل کا امتحان بھی ہوگا۔اور اس کے ارکان کو اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور متوقع خدشات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے دشوار گزار مرحلہ سے گزرنا پڑے گا۔متحدہ کے رہنماؤں نے الیکشن مہم میں عموماً اور اپنے منشور میں خصوصاً جن خوش آئند وعدوں کا اعلان کیا ہے ان کے پورا کرنے کا موقع ملا ہے تو اسے سرانجام دے کر قوم کے سامنے سرخرو ہوسکتے ہیں۔خاص طور پر صوبہ سرحد اور بلوچستان میں وہ صوبائی حکومتوں کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔جب حکومت کا بار کندھوں پر پڑے گا تو پھر کئی ایک مشکلات سے بھی دوچار ہونا پڑے گا۔لیکن سب سے زیادہ خوش آئند توقع یہ ہے کہ وہ نمونہ کی رفاہی حکومت قائم کر کے خوش گوار مستقبل کی راہ ہموار کرسکتے ہیں۔افغانستان میں طالبان کی مثالی حکومت کا ایک کامیاب تجربہ ان کے لیے مشعل راہ بن سکتا ہے۔طالبان نے مختصر وقت میں ایک فلاحی ریاست کا جو تاریخی کارنامہ سرانجام دیا وہ اقوام عالم سے خراج تحسین حاصل کرچکا ہے۔اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ طالبان نے جنگجو قوم کو جس طرح پرامن نظام حکومت کا تحفہ دیا وہ تاریخ عالم کا درخشندہ باب ہے۔طالبان نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہمارے الفاظ میں ''حکومت الٰہیہ'' کا ایک زندہ جاوید نمونہ دنیا کے سامنے عملی طور پر پیش کیا۔کیا یہ حقیقت نہیں کہ جب تک طالبان برسراقتدار رہے پورے افغانستان میں امن وامان کی صورت حال حیران کن حد تک بے مثال تھی۔ہر وقت بندوق کی گولی سے کھیلنے والی سرپھری قوم کو جس محبت اور الفت کے ساتھ پرامن ماحول مہیا کیا وہ ان لوگوں کے حسن تدبر کی روشن مثال ہے۔

صوبہ سرحد اور بلوچستان کے بہادر سرفرشوں نے افغانستان میں جس بہادری اور جرأت رندانہ کا مظاہرہ کیا وہ اہالیان سرحد وبلوچستان کے سامنے ہے۔وہ یقیناً متحدہ مجلس عمل کے اکابر سے یہ توقع رکھیں گے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت غیر مترقبہ کو عوام کی فلاح و بہبود اور بلندیٔ کردار کے لیے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔یہ توقع اور تمنا صرف ان دو صوبوں کے عوام کو ہی نہیں بلکہ پورے پاکستان کے دینی و مذہبی حلقوں میں ابھی سے محسوس کی جا رہی ہے۔

ان حالات میں متحدہ مجلس عمل کے رہنماؤں کا ایک امتحان درپیش ہے۔ جب وہ انتخابی اجتماعات میں بھی یہ اعلان کرتے رہے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اقتدار دیا تو ہم ایک مثالی حکومت قائم کریں گے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ کرے کہ یہ حضرات کامیابی کے ان خوش گوار لمحات میں اپنے وعدوں کو پورا کریں۔ توقعات کے اس بحرِ بےکراں میں متحدہ محاذوں کی سابقہ تاریخ پر بھی ایک نظر ڈال لینا چاہیے تاکہ مستقبل میں سابقہ تجربات کا اعادہ نہ ہو اور جو ناخوشگوار حادثات سے یہ محاذ دوچار ہوتے رہے ہیں۔ ان سے حتی الوسع سبق حاصل کیا جائے۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں مجلس عمل کے اکابرین نے دن رات کی جدوجہد سے جو باہمی اعتماد اور محبت و الفت کی فضا قائم کی تھی وہ بہت جلد بعض عاقبت نااندیش حضرات کی کم فہمی اور ناتجربہ کاری کی نذر ہوگئی۔ حالانکہ تحریک کے ابتدائی ایام میں تمام مسالک کے حضرات نے محبت و اخوت کی بہترین مثالیں قائم کی تھیں لیکن وقت امتحان ان جذبات کو نظرانداز کر کے اپنی اپنی جماعت اور مسلک کی اجارہ داری قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ تحریک کے ابتدائی ایام میں یہ اعلان کیا جاتا رہا کہ یہ اتحاد تادیر قائم رہے گا لیکن ایسا نہ ہوا۔

مجلس احرار اسلام کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ احرار رہنماؤں نے ہمیشہ ہی اپنی جماعتی تنظیم کو اجتماعی مفاد پر قربان کیا۔ ہر تحریک کی تیاری اور استحکام کے لیے انتھک محنت کی۔ دوسرے مسالک یا جماعتوں کے رہنماؤں کو اپنا سردار بنایا اور خود رضا کار کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی ایسا ہی ہوا کہ مولانا محمد یوسف بنوری رحمتہ اللہ علیہ کو قائدانہ حیثیت سے قبول کیا اور احرار کا کوئی بھی نمایاں رہنما کسی ذمہ دار عہدہ پر براجمان نہ ہوا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف تحریک میں بھی ایسا ہی ہوا لیکن اس کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ جس جذبے اور ضرورت کا احساس کرتے ہوئے یہ محاذ بنائے گئے، انہیں آئندہ کے لیے ملحوظ خاطر نہ رکھا گیا۔ بلکہ گروہی اور جماعتی مصلحتوں پر محاذ کے مفادات کو قربان کر دیا گیا۔

میں اس موقع پر اکابر متحدہ مجلس عمل سے گزارش کروں گا کہ بین الاقوامی سطح پر سیکولر حکومتیں اور قوتیں اسلامی اقدار کی ترویج کو ایک لمحے کے لیے بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ وہ کسی طور بھی پاکستان میں مکمل طور پر یا افغانستان سے ملحقہ علاقوں میں دینی ترویج کو برداشت نہ کریں گے۔ لہٰذا بہت ہی ہوش مندی اور مستقل مزاجی سے قوم کی توقعات پر پورا اترنے کے لیے اپنے حوصلے بلند رکھیں اور اپنے یسار و یمین پر گہری نظر رکھیں۔ آپس کے اتحاد کو ہر حالت میں قائم رکھیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو! (آمین)